|  |
| --- |
| **Journal of Religion & Society (JR&S)**Available Online:<https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index>Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130XPlatform & Workflow by: [Open Journal Systems](https://assajournal.com/index.php/36/about/aboutThisPublishingSystem) <https://doi.org/10.5281/zenodo.17009071>  |

**The Political thought of Imam Zain al-Abidin: A Critical Analysis**

**امام زین العابدین  کی سیاسی فکر کا علمی جائزہ**

**Dr. Saifullah al-Azhari**

Lecturer, Department of Seerat Studies, University of Peshawar

**Abstract**

*Imam Zainul Abidin stayed away from politics all his life. Some political groups that emerged after the Karbala incident wanted to push him into politics, but he refused and never took part in the power struggle because he knew that there was no political role left for a person like him. Politics has its own temperament, which will not accept him. He chose a different role for himself. The same that was told for a scholar in the Qur'an i.e. Remembrance. That is to remind people that they are God's servants and one day they must appear before their Lord. He used to deliver the Friday sermon in Madinah and reminded the creatures of God's servitude to the Lord of the Universe and responsibility in the Hereafter. He knew that if someone despairs from the state, he should make society the center of all his efforts. From Imam Zainul Abideen's Caracter and role, we learn that despite the sympathy of all, he did not take up armed struggle against the ruler of the time but followed the policy of preaching good tidings, because he knew that controlling the people sitting in the halls of power through armed struggle would lead to nothing but bloodshed, as armed struggle requires a balance of power, that is possible between two states, while impossible between populace and the state.*

***Keywords:*** *Politics, Populace, State, Armed Struggle, Karbala Incident, Preaching.*

**تعارف**

امام زین العابدین  کا پورا نام علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب جبکہ لقب زین العابدین  ہے۔ آپ 38 ہجری بمطابق658 عیسوی کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی پرورش والدہ ماجدہ شہربانو رضی اللّٰہ عنہا نے کی۔ آپ امام السجاد (یعنی سجدہ کرنے والوں کا امام) کے نام سے بھی مشہور ہیں۔اثنا عشری اہل تشیع كے ہاں آپ چوتھے امام ہیں۔ واقعہ کربلا (61ہجری بمطابق 680 عیسوی) کے وقت آپ کی عمر تقریبا 22 سال تھی۔ آپ قافلہ حسین رضی اللہ عنہ کا حصہ تھے اور کربلا میں موجود تھے ،لیکن علالت کے وجہ سے معرکے میں شریک نہ ہو سکے۔ اس سانحہ میں زندہ بچ جانے والے آپ واحد مرد تھے۔ جب سیدناحسین رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو شمر نے کہا کہ اسے بھی قتل کر دو لیكن شمر کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا : سبحان اللہ! کیا تم ایسے نوجوان کو قتل کرنا چاہتے ہو جو مریض ہے اور اس نے ہمارے خلاف قتال میں شرکت بھی نہیں کی؟ اتنے میں عمروبن سعد بن ابی وقاص آیا او ر کہا کہ ان عورتوں اور اس مریض یعنی علی زین العابدین  سے کوئی تعرض نہ کرے، [[1]](#endnote-1) اس کے بعد دیگر اسیران کے ساتھ آپ بھی دمشق میں یزید کے سامنے پیش ہوئے اور کچھ دنوں بعد سب كو مدینہ جانے دیا گیا۔ آپ 95 ہجری بمطابق712 عیسوی كو 57 سال كی عمر میں مدینہ منورہ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے اپنے دادا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت میں دو سال، اپنے چچا امام حسن رضی اللہ عنہ کی امامت میں دس سال اور اپنے والد امام حسین رضی اللہ عنہ کی امامت میں گیارہ سال گزارے۔ آپ سانحہ كربلا کے بعد تقریبا چونتیس سال زندہ رہے۔

**قبل از كربلا كے حالات:**  ہر فن کے کچھ اصول ہوتے ہیں جن کی روشنی میں اس فن کے نکات کو جانچا جاتا ہے۔ نتیجتاً ہمیں صحیح اور سقیم کا ادراک ہوتا ہے، مثال کے طور پر روایت حدیث کے کچھ اصول ہیں جن كی مدد سے ہم صحیح اور ضعیف حدیث کی پہچان کرتے ہیں۔ اسی طرح اصول تفسیر، اصول فقہ، اصول تحقیق کی مثال لیجئے۔ بعینہ اصول تاریخ بھی ایک اہم فن ہے جسے عام طور پر اہلِ علم بھی نظر انداز کرتے ہیں، کیونکہ تقدس كے احساس كے تحت اصول تاریخ کا خیال نہیں ركھا جاتا اور اس طرح مؤرخ تاریخی واقعات كے ذكر میں ابہامات كا شكار ہو جاتا ہے ۔ جبکہ بعض مؤرخین اسی تقدس کی وجہ سے اپنی سوچ کے مخالف فریق میں صرف خامیاں نکالتے ہیں ، جبکہ اپنی عقیدت والی شخصیت میں ان کو صرف خوبیاں نظر آتی ہیں۔ اس لئے تاریخ کی کتابیں بے غبار باتوں سے خالی نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام قاری بے شمار حقیقتوں سے لاعلم رہتا ہے۔ یہ ایك ناقابل انكار حقیقت ہے كہ شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ كے بعد سیدنا امیر معاویہ اور سیدنا علی رضی اللّٰہ عنہما کے مابین کشمکش کی وجہ سے مسلمانوں میں انتشار کی کیفیت تھی اور حالات اکثر کشیدہ رہتے تھے ، کیونکہ کبار صحابہ کرام جیسا کہ سیدنا عمرو بن العاص ،امیر معاویہ، عائشہ صدیقہ، ، طلحہ ، زبیر بن عوام رضوان اللہ علیہم اجمعین سیدنا علی رضی اللّٰہ عنہ سے سیدنا عثمان رضی اللّٰہ عنہ کے قاتلوں کو سزا دینے کا پرزور مطالبہ کر رہے تھے۔ اس پر مستزاد یہ كہ مروان بن الحكم جو عثمان رضی اللہ عنہ كے دور خلافت میں قصر خلافت كے نگران تھے اور مہر خلافت بھی آپ كے پاس ہوتی تھی، نےسیدنا علی رضی اللّٰہ عنہ كو شہادت عثمان كا قاتل ٹھہرایا ،جب کہ علی رضی اللّٰہ عنہ بعد از استقرار قاتلین عثمان كو سزا دینے کے قائل تھے،یہی وجہ تھی کہ سیدنا امیر معاویہ نے آپ کی بیعت نہیں کی، اور بیعت کو عثمان رضی اللّٰہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص اورشوری كے ذریعے دوبارہ خلیفہ كے انتخاب كےساتھ مشروط کیا ۔آپ کے ساتھ اہلِ شام نے بھی سیدنا علی رضی اللّٰہ عنہ کی بیعت نہیں كی۔ بعض اہل علم كی نظر میں سیدنا علی اور سیدنا امیر معاویہ کے مابین کشمکش کو بنو امیہ اور بنو ہاشم کی پرانی عداوتوں کا تسلسل ماننا بعید از امکان نہیں۔ ان كے مطابق یہ حصول اقتدار کی جنگ تھی کیونکہ سیدنا علی مسند خلافت سنبھالتے ہی بنو امیہ کے تمام گورنروں اور اعلیٰ عہدوں پر فائز تمام حکام کو بیک جنبشِ قلم فارغ کرنے کا فرمان جاری کر چكے تھے ۔ سب اپنے عہدوں سے الگ ہو جاتے ہیں لیکن سیدنا معاویہ حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔ تقریباً 20 سال سے وہ شام کے گورنر تھے، جو موجودہ شام، فلسطین، اسرائیل، لبنان، اردن،اور ترکی پر مشتمل تھا۔ ایک عظیم الشان سر سبز و شاداب محل میں وہ مقیم تھا۔ سیدنا علی كی حكم عدولی کے بعد جب رسہ کشی شروع ہوئی تو سیدنا معاویہ نے تجویز پیش کی کہ اسلامی سلطنت کے دو خلیفہ ہوں، یمن، کوفہ، بصرہ، حجاز کا خلیفہ سیدنا علی ہوں اور وہاں کے محصولات کے حقدار بھی آپ ہوں ۔جبکہ شام پر سیدنا معاویہ کی خلافت ہو اور اس کے محصولات پر سیدنا معاویہ کا حق ہو۔ لیکن اس تجویز کو سیدنا علی نے منظور نہیں كیا۔ اسی کشمکش کی وجہ سے علی رضی اللّٰہ عنہ اور عائشہ صدیقہ کے مابین جنگ جمل اور سیدنا علی اور امیر معاویہ کے مابین جنگ صفین لڑی گئی جس میں دونوں اطراف سے ہزاروں کی تعداد میں مسلمان شہید ہوئے۔[[2]](#endnote-2)

سیدنا علی اور سیدنا امیر معاویہ کے مابین كشمكش كے بارے میں اہل سنہ والجماعہ كا عقیدہ یہ ہے كہ "کان الحق مع علي و إن من حاربه مخطي في الاجتهاد فهو معذور" [[3]](#endnote-3)۔ (علی رضی اللّٰہ عنہ برحق تھے اور جو اس سے لڑا وہ اجتہاد میں غلطی پر تھا ،پس وہ معذور ٹھہرا)۔ شہادت سیدنا علی کے بعد سیدنا حسن خلیفہ بنے تو امیر معاویہ اور اہلِ شام نے آپ کی بیعت نہیں کی اور وہی کشمکش جاری رہی جو سیدنا علی رضی اللّٰہ عنہ کے دور خلافت میں جاری تھی۔ بالآخر سیدنا حسن رضی اللّٰہ عنہ 6 ماہ بعد خلافت سے مستعفی ہوئے اور سیدنا امیر معاویہ کے ہاتھ بیعت کی، یوں امت مسلمہ کا سیاسی عدم استحکام ختم ہوا اور سب ایک خلیفہ پر متفق ہوئے۔ اسی وجہ سے اس سال کو عام الجماعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ امیر معاویہ کا خلیفہ بننے کے بعد مسلمانوں میں سیاسی استحکام تو پیدا ہو گیا لیکن اب یہ دیكھنا ہے کہ کیا اس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا دی؟ کیونکہ شہادتِ عثمان کی وجہ سے مسلمانوں کے مابین جنگیں ہوئیں جس میں دونوں اطراف سے تقریباً 70 ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تاریخی شواہد اور روایات سے معلوم ہوتا ہے كہ عثمان رضی اللّٰہ عنہ کا محاصرہ تقریبا ایك ہزار افراد نے كیا تھا، جن میں چند براہ راست قاتل جبكہ بعض دیگر معاون قاتل تھے۔ براہ راست قاتلین میں سےقتيرہ السكوني اورسودان السكوني کو موقع پر عثمان رضی اللّٰہ عنہ کے غلاموں نے قتل کیا۔ جب كہ کنانہ النخعی ،محمد بن ابی بکر اور عمرو بن العاص کے درمیان جنگ میں مارا گیا اور محمد بن ابی بکر اس کے بعد زہر ملا ہوا شہد كھانےسے مر گیا۔ حکیم بن جبلہ بصرہ میں عائشہ، طلحہ اور زبیر کے گروہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اکثر طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنھما کے حکم پر مارے گئے۔ کچھ جنگ صفین اور جمل کے دوران مارے گئے۔خلیفہ بننے کے بعد امیر معاویہ نے بعض قاتلین عثمان كو شام کے شہر حمص میں "جبل الجلیل" نامی پہاڑ كے دامن میں واقع ایك قید خانہ میں قیدكیا ، اعتراف كے بعد ان كو قتل كیا ،کچھ نے فرار ہونے کی کوشش کی، لیکن دوبارہ پکڑے گئے۔[[4]](#endnote-4) چالیس سال بعد حجاج بن یوسف نے دو قاتلین عثمان یعنی عمير بن ضابىء البرجمي، اور كميل بن زياد النخعي کو ٹھکانے لگایا ۔ قاتلین کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا جس كے بارے میں معلوم نہیں کہ 50 ہجری بمطابق 670ء میں اس کی موت کی وجہ کیا بنی۔ امیر معاویہ نے سر عام كسی قاتل كو سزا نہیں دی ۔ اس كی وجہ شاید وہ شرط تھی جو سیدنا حسن رضی اللّٰہ عنہ نے سنہ 41 ہجری بمطابق 661ء میں سیدنا معاویہ رضی اللّٰہ عنہ کو خلافت سونپتے وقت رکھی تھی كہ تمام مسلمانوں سے بالخصوص علی رضی اللہ عنہ کے اس گروہ سے جو امیر معاویہ رضی اللّٰہ عنہ سے لڑا تھا ،اس وقت تک وہ تلوار اٹھائے جب تک کہ قوم اکٹھی نہ ہو جائے اور فتنہ ختم ہو جائے کیونکہ یہ بات سب پر واضح ہو گئی تھی کہ جو جنگیں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے لیے لڑی گئی تھیں وہ بڑے پیمانے پر پھیلی تھیں جس نے امت اور قوم کو کمزور کیا، جہاد میں خلل پڑا اور فتوحات رک گئیں۔یہاں تک کہ رومی دشمنوں نے شام پر حملہ کرنا چاہا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مستعفی ہونے کے بعد جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان كے ایک فیصلے كی وجہ سے دوبارہ سیاسی عدم استحکام شروع ہوا۔ چونکہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد نامزد کیا، لیکن اس فیصلے کو قبولیت نہیں ملی کیونکہ عمومی احساس یہ تھا كہ یہ منہج نبوی اور خلافت راشدہ كے مطابق نہیں تھا یہی وجہ تھی كہ آپ کے انتقال کے بعد جب یزید منصب خلافت پر متمکن ہوا تو سیدنا عبداللہ بن عباس ، عبداللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر اور سیدنا حسین رضی اللّٰہ عنہم نے اس کی بیعت سے نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کے خلاف بھرپور مزاحمت شروع کی۔ سیدنا حسین کی مزاحمت کے نتیجے میں واقعہ کربلا پیش آیا۔

**مابعد حالات میں منہج زین العابدینی:**61 ہجری بمطابق680 عیسوی میں سانحہ کربلا کے وقت علی زین العابدین  کی عمر تقریباً 22 برس تھی ،اس سانحہ کے بعد منہج زین العابدینی قابلِ تقلید نمونہ ہے، کیونکہ باوجود اس کے کہ لوگوں کی ہمدردی آپ کے ساتھ تھی اور ہرعام و خاص میں یزید کے خلاف غم و غصہ پایا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے یزید اور اس کے بعد آنے والے اموی حکمرانوں کے خلاف مسلح جدو جہد نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ حسن تعامل اور موعظہ حسنہ کی پالیسی پر کاربند رہے۔

’’امام زین العابدین  ساری زندگی سیاست سے دور رہے۔ واقعہ کربلا کے بعد ابھرنے والے کچھ سیاسی گروہ انہیں سیاست میں دھکیلنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اقتدار کی کشمکش میں کبھی حصہ نہیں لیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان جیسے شخص کے لیے اب کوئی سیاسی کردار باقی نہیں رہا ۔ سیاست کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے، جو ان کو قبول نہیں کرے گا ۔ انہوں نے اپنے لیے ایک مختلف کردار کا انتخاب کیا۔ وہی جو قرآن مجید میں ایک عالم کا بتایا گیا: تذکیر۔ یعنی لوگوں کو یاد دلانا کہ وہ خدا کے بندے ہیں اور ایک دن اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہ مدینہ منورہ میں جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے اور مخلوق خدا کو رب كائنات کی بندگی اور آخرت میں مسئولیت کی تذکیر کرتے تھے۔ آپ جان چکے تھے كہ اگر کوئی سیاست اور حکومت وقت سے مایوس ہو جائے تو اسے اپنی تمام تر کوششوں کا مرکز سماج کو بنانا چاہیے‘‘۔[[5]](#endnote-5)

انہوں نے رسالة الحقوق کے نام سے کتاب لکھی جس میں انہوں نے کئی حقوق بیان کیے ہیں جن میں ’’حَقُّ سَائِسِكَ بالسُّلْطَانِ‘‘ یعنی حكمران كا حق قابلِ ذکر ہے ۔فرماتے ہیں۔

"فَأَمَّا حَقُّ سَائِسِكَ بالسُّلْطَانِ فَأَنْ تَعْلَمَ أَنَّكَ جُعِلْتَ لَهُ فِتنة وأَنَّهُ مُبْتَلَىً فِيكَ بِمَا جَعَلَهُ اللهُ لَهُ عَلَيْكَ مِنَ السُّلْطَانِ وَأَنْ تُخلِصَ لَهُ في النَّصِيحَةِ وَأَلا تمَاحِكَهُ وَقَدْ بُسِطْتَ يَدُهُ عَلَيْكَ فَتَكُونَ سَبَبَ هَلَاكِ نَفْسِكَ وَهَلَاكِهِ. وَتَذَلَلْ وتَلَطَّفْ لإعْطَائِهِ مِنَ الرِّضَا مَا يَكُفُّهُ عَنْكَ وَلَا يَضُرُّ بِدينِكَ وتَسْتَعِينُ عَلَيْهِ فِي ذلِكَ باللهِ ولا تُعَازّهُ ولا تُعَانِدَهُ فَإِنَّكَ إِنْ فَعَلْتَ ذَلِكَ عَقَقْتَهُ وَعَقَقْتَ نَفْسَكَ فَعَرَضْتَهَا لِمَكْرُوهِهِ وَعَرَضْتَهُ لِلْهَلَكَةِ فِيكَ وَكُنْتَ خَلِيقًا أَنْ تَكُونَ مُعِينًا لَهُ عَلَى نَفْسِكَ وَشَرِيكًا لَهُ فيمَا أَتَى إِلَيْكَ. وَلَا قُوَّةَ إِلا بِاللهِ".[[6]](#endnote-6)

(''حکمران کا حق‘ اس بات کا فہم ہے کہ تم (عوام) اس کے لیے آزمائش بنائے گئے ہو۔ اللہ نے اسے اختیار دے کر‘ تمہارے واسطے سے اسے آزمایا ہے۔ تم اخلاص کے ساتھ اسے نصیحت کرو۔ تم اس کے ساتھ جھگڑا نہ کرو کیونکہ اسے تم پر تسلط حاصل ہے۔ یہ جھگڑا تمہاری اور اس کی ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے۔ تم اس کے سامنے فروتنی اور خاکساری اختیار کرو تاکہ وہ تم سے خوش رہے اور یہ رویہ اسے تم سے باز رکھے (وہ تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچائے) اور تمہارے دین کو نقصان نہ ہو۔ اس کے معاملے میں تم اللہ سے مدد چاہو۔ تم اُس (حکمران) کے ساتھ مخاصمت اور دشمنی نہ رکھو کیونکہ یہ دونوں تمہارے لیے اور اس کے لیے بھی استخفاف (تذلیل) کا سبب بنے گا۔ تم اپنی جان کو سختی میں ڈالو گے اور اس طرح‘ تمہاری وجہ سے وہ بھی ہلاکت میں پڑے گا۔ یہ دراصل‘ تمہاری طرف سے‘ تمہارے ہی خلاف‘ اس کی مدد ہو گی۔ یوں تم خود کو (اس کی طرف سے) پہنچنے والی برائی میں اس کے ساتھ شریک ہو جاؤ گے‘‘)[[7]](#endnote-7)

بعض لوگ کسی تحریر کا ترجمہ کرتے وقت علمی خیانت کرتے ہیں، رسالة الحقوق کا اُردو ترجمہ جو پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ کراچی سے دسمبر 1997 میں شائع ہوا ہے میں مترجم سید غلام نقی رضوی نے علمی خیانت کی ہے۔ مترجم نے ’’حَقُّ سَائِسِكَ بالسُّلْطَانِ‘‘کے پورے پیرائے کو بشمول عنوان حذف کیا ہے، جب کہ دیگر اُردو تراجم میں یہ حصہ موجود ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جس میں امام زین العابدین  حاکم وقت کے احترام اور اس کے خلاف بغاوت اور مسلح جدجہد سے احتراز کا درس دیتے ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مترجم نے جان بوجھ کر اس حصے کو نظر انداز کیا ہے کیونکہ ہر اصل عربی اشاعت میں یہ حصہ موجود ہے۔

**امام/سربراہ اور رعایا كا تعامل:** امام زین العابدین  نے "رسالة الحقوق" میں حاکم کے حقوق کے علاوہ رعایا کے حقوق (حُقُوقُ الرَّعِيَّةِ) پر بھی وقیع بحث کی ہے، اس موضوع پر آپ فرماتے ہیں

" فَأَمَّا حُقُوقُ رَعِيَّتِكَ بِالسُّلْطَانِ فَأَنْ تَعْلَمَ أَنَّكَ إِنَّمَا اسْتَرْعَيْتَہُمْ بِفَضْلِ قُوَّتِكَ عَلَيْہِمْ فَإِنَّہُ إِنَّمَا أَحَلَّہُمْ مَحَلَّ الرَّعِيَّةِ لَكَ ضَعْفُہُمْ وَ ذُلُّہُمْ فَمَا أَوْلَى مَنْ كَفَاكَہُ ضَعْفُہُ وَ ذُلُّہُ حَتَّى صَيَّرَہُ لَكَ رَعِيَّةً وَ صَيَّرَ حُكْمَكَ عَلَيْہِ نَافِذاً لَا يَمْتَنِعُ مِنْكَ بِعِزَّةٍ وَ لَا قُوَّةٍ وَ لَا يَسْتَنْصِرُ فِيمَا تَعَاظَمَہُ مِنْكَ إِلَّا بِاللَّہِ بِالرَّحْمَةِ وَ الْحِيَاطَةِ وَ الْأَنَاةِ وَ مَا أَوْلَاكَ إِذَا عَرَفْتَ مَا أَعْطَاكَ اللَّہُ مِنْ فَضْلِ ہَذِہِ الْعِزَّةِ وَ الْقُوَّةِ الَّتِي قَہَرْتَ بِہَا أَنْ تَكُونَ لِلَّہِ شَاكِراً وَ مَنْ شَكَرَ اللَّہَ أَعْطَاہُ فِيمَا أَنْعَمَ عَلَيْہِ وَ لا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّہِ"[[8]](#endnote-8)

(رعیت کا حق:جب رعیت پر تمہاری حکومت ہو تو اس وقت تم پر اس کے یہ حقوق ہیں، تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے اپنی زیادہ طاقت سے انہیں اپنی رعیت بنالیا ہے تو یہ ان کی کمزوری و عاجزی تھی جس نے انہیں رعیت کی جگہ پہنچادیا، تو اس کا کیا حق ہے کہ جس کے ضعف و ذلت نے تمہیں اتنا بے نیاز کر دیا کہ اسے تمہاری رعیت بنا دیا اور اس پر تمہارے حکم کو نافذ کردیا، اب وہ اپنی طاقت و عزت کے ساتھ تمہارے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا، اسے تمہارے ترحم و حمایت اور صبر و تسلی کے علاوہ تمہاری جو بات ناگوار گزرتی ہے تو اس میں وہ خدا ہی سے مدد چاہتا ہے اور جب تمہیں یہ معلوم ہو کہ خدا نے تمہیں کتنی عزت او قوت عطا کی ہے کہ جس کے ذریعہ تم دوسروں پر غالب آگئے تو اس وقت تمہارا کیا فریضہ ہے؟ سوائے اس کے کہ تم خدا کے شکر گزار ہوجاؤ اور جو خدا کا شکر ادا کرتا ہے خدا اس کو زیادہ نعمت عطا کرتا ہے۔ اور خدا کی طاقت کے علاوہ کوئی طاقت نہیں ہے۔(

امام صاحب کا یہ موقف قرآن وسنت کے اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ رعايا اور حاکم کا تعامل باہم اعتماد اور احترام کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔اسلام نے ہر فریق پر کچھ حقوق وفرائض لازم کی ہیں۔ جس طرح اولاد پر والدین کے کچھ حقوق وفرائض ہیں تو دوسری جانب والدین پر بھی اولاد کے کچھ حقوق وفرائض واجب ہے۔ بعینہ اگر ایک طرف رعایا پر سرکار یعنی حاکم وقت کے کچھ حقوق وفرائض واجب ہے تو دوسری جانب حاکم وقت پر بھی رعایا کے کچھ حقوق وفرائض لازم ہے۔ ذیل میں مشتے نمونہ از خروارے چند حقوق الرعیہ پر روشنی ڈالی جائے گی۔

**اول: دینی اور دنیاوی امور کی حفاظت۔** اسلام حاكم وقت كو دینی اور دنیاوی امور کی حفاظت كا ضامن ٹھہراتا ہے، جیسا كہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ أَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُواْ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَنَهَوۡاْ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۗ وَلِلَّهِ عَٰقِبَةُ ٱلۡأُمُورِ٤١﴾ ]الحج: ٤١[

**دوم: عدل و انصاف قائم کرنا۔**اسلام حکمرانوں کو لوگوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنے کا پابند کرتا ہے، خواہ یہ لوگ امیر ہوں یا غریب، دوست ہوں یا دشمن، جیسا كہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلۡقِسۡطِۖ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَـَٔانُ قَوۡمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعۡدِلُواْۚ ٱعۡدِلُواْ هُوَ أَقۡرَبُ لِلتَّقۡوَىٰۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ٨﴾]المائدة: ٨ [ خلیفہ اول سیدنا ابو بکر الصدیق نے رعایا کے درمیان حق و انصاف قائم کرنے میں ایک مثال قائم کی، جب انہوں نے اپنے پہلے خطبہ میں اس کا اعلان کیا، اور فرمایا: «أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنِّي قَدْ وُلِّيتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ، فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي، وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي، الصَّدْقُ أَمَانَةٌ، وَالْكَذِبُ خِيَانَةٌ، وَالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِي حَتَّى أُرِيحَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إنْ شَاءَ اللَّهُ، وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ عِنْدِي حَتَّى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ إنْ شَاءَ اللَّهُ» (''لوگو!میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے افضل(ہونے کامدعی) نہیں ہوں، اگر میں ٹھیک ٹھیک کام کروں توتم میری اعانت کرو، اور اگر میں راہِ راست سے ہٹ جائوں تو تم مجھے سیدھا کردو، ایمانداری امانت ہے، اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں سے جو (بظاہر )کمزور ہے، وہ در حقیقت میرے نزدیک طاقتور ہے تاوقتیکہ میں (ظالم سے) اُس کا حق لے کر اُس کوواپس دلا دوں ان شاء اللہ تعالیٰ اور تم میں جوبظاہر بڑا طاقتور ہے‘وہ میرے نزدیک (سب سے)کمزور ہے تاوقتیکہ میں اُس سے (مظلوم کا) حق واپس لے لو ان شاء اللہ تعالیٰ")[[9]](#endnote-9)

**سوم: رعایا كے مصالح كا خیال ركھنا:**حکمران رعایا کے مصالح اور مفادات کے بارے میں مسؤل ہے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كُلُّكُمْ رَاعٍ ومَسْؤُولٌ عن رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ رَاعٍ وهو مَسْؤُولٌ عن رَعِيَّتِهِ … )تم میں سے ہر آدمی ذمہ دار ہے اور ہر آدمی اپنے ماتحتوں کے بارے میں جواب دہ ہے؛ چنانچہ لوگوں کا امیر ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا… [[10]](#endnote-10)

اسی احساس ذمہ داری کے تحت سیدنا عمر رضی اللّٰہ عنہ نے فرمایا کہ ’’لَوْ هَلَكَ حَمَلٌ مِنْ وَلَدِ الضَّأْنِ عَلَى شَاطِئِ الْفُرَاتِ، ضَائِعًا، لَخَشِيتُ أَنْ يَسْأَلَنِي اللَّهُ عَنْهُ‘‘ (اگر دریائے فرات کے کنارے ایک بكری بھی بھوكی مر گئی ، تو میں مجھے ڈر ہےکہ خدا مجھ سے اس کے بارے میں پوچھے گا)[[11]](#endnote-11)

بالعموم رعایا كے جان و مال كی حفاظت، دفاع وطن، ایمانداری، شفقت، معیشت کی بہتری، اہل ارکان کابینہ کا انتخاب حاکم وقت کی ذمہ داریوں میں سے ہیں۔[[12]](#endnote-12)

اسی طرح رعایا پر حاکم کی اطاعت واجب ہے جب تک کہ وہ کفر کا ارتکاب نہ کریں۔ اس کے پالیسیوں پر تنقید رعایا کا حق ہے لیکن فتنہ انگیزی اور شرانگیزی کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ اللّٰہ تعالیٰ نے صریح الفاظ میں امراء اور سلاطین کی اطاعت کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ ﴾]النساء: ٥٩[

( " اے ایمان والو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں")

نبی كریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسْمَعُوا وأَطِيعُوا وإنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ كَأنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ. [[13]](#endnote-13)

( "سنو اور اطاعت کرو، خواہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام کو ہی عامل بنایا جائے جس کا سر منقیٰ کی طرح چھوٹا ہو " )

 حاکم پر لازم ہے کہ رعایا پر حکومت کرتے ہوئے مفاد عامہ اور شریعت کے مقاصد کو مدِ نظر رکھے یعنی عدل کرے، ظلم کو ختم کرے، دین کی حفاظت کرے، اور معاشرے کی سلامتی اور استحکام کو بیرونی اور اندرونی خطرات سےمحفوظ ركھے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلۡنَٰكَ خَلِيفَةٗ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَٱحۡكُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِٱلۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلۡهَوَىٰ ﴾ ] ص: ٢٦ [

( " اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں بادشاہ بنایا ہے پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو") اسلام نے حاکم کے عدل و انصاف کو اس کی اطاعت کے مقابلے میں نہیں رکھا، ورنہ ملکی معاملات میں نظم و ضبط نہیں رہے گا۔ اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو وصیت کرتے ہوئےارشاد فرمایا:«مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا، فَمَاتَ، فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ»

”جو شخص اپنے امیر میں کوئی ناپسند بات دیکھے تو صبر کرے۔ (خلیفہ) کی اطاعت سے اگر کوئی بالشت بھر بھی باہر نکلا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔“ [[14]](#endnote-14)

یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت والجماعت کے مطابق سلطان کے لئے تقوی شرط نہیں، امام ابوحنیفہ نے فسق اور ظلم وجبر کے باوجود امراء و سلاطین کی امامت کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ فاسق انسان امام ابو حنیفہ کے نزدیک اہلِ ولایت میں سے ہیں۔[[15]](#endnote-15)

مزیدبرآں عمرو بن العاص كا قول ہے كہ ’’سلطان غشوم ظلوم خير من فتنة تدوم‘‘ (’’جابر حاکم نہ ختم ہونے والی لڑائی سے بہتر ہے‘‘)۔ بدقسمتی سے گزشتہ چند دہائیوں میں دیکھا گیا کہ کچھ انتہا پسند عناصر ریاستی ادراوں كے خلاف مسلح اقدام اور تصادم کا باعث بنتے ہیں، نتیجتاً ریاست کی حاكمیت كمزور ہوجاتی ہے اور معیشت بری طرح متاثر ہو جاتی ہے۔ آج کے دور میں مضبوط معیشت طاقت کا مظہر ہوتی ہے۔جن ممالک میں داخلی امن و امان ہو، وہاں پر باہر سے سرمایہ کاری آتی ہے۔ دولت گردش میں ہوتی ہے اور عوام خوشحال ہوتے ہیں لیکن داخلی بدامنی کی وجہ سے باہر سے سرمایہ آنا تو دور کی بات ملکی سرمایہ کار بھی اپنا سرمایہ ان ممالک میں لگاتے ہیں جہاں پر داخلی امن و امان ہو۔ کیونکہ کوئی بھی سرمایہ کار اپنی دولت کو غیر محفوظ ملک میں انویسٹ نہیں کرتا۔

امام زین العابدین  کی اسوہ حسنہ سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ باوجود اس کے کہ ہر عام و خاص کی ہمدردی آپ کے ساتھ تھی لیکن پھر بھی آپ نے حاکم وقت کے خلاف مسلح جدو جہد اختیار نہیں بلكہ موعظہ حسنہ کی پالیسی پر عمل پیراتھے۔ کیونکہ آپ جان چکے تھے کہ اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے افراد کو مسلح جدو جہد کے ذریعے قابو کرنے سے خون خرابا کے سوا کچھ نہیں ملتا۔کیونکہ مسلح جدو جہد کے لئے طاقت کے توازن کا ہونا شرط ہے اور یہ توازن دو ریاستوں کے مابین تو ممکن ہے لیکن رعایا اور ریاست کے مابین ناممکنات میں سے ہیں ۔

**حوالہ جات**

1. - ابن سعد، الطبقات الكبرى، باب: بَقِيَّةُ الطبقة الثانية من التابعين،]من المہاجرين[ ۷۵۵-علي بن الْحُسَيْنِ ، ج ۵، ص ۱۶۳،

 دار الكتب العلمية - بيروت، ۱۹۹۰ [↑](#endnote-ref-1)
2. - ابن جریر الطبری، تاريخ الطبري، با ب: سنة ست وثلاثين ،عدد قتلى الجمل، ج ۴، ص ۵۳۹، دار التراث – بيروت، ۱۹۶۸ [↑](#endnote-ref-2)
3. - عبد العزیز فرہاري، النبراس شرح شرح العقائد النسفیہ، ص ٦٥٠، دار یاسین۔ استنبول ۔تركی، ۲۰۰۹ [↑](#endnote-ref-3)
4. - ابن كثیر، البداية والنهاية، باب: سنة خمسين من الهجرة،دار السعادۃ۔قاہرہ ،ج:۱۱،ص:۲۱۳ ، بغیر ِسِنِ اشاعت [↑](#endnote-ref-4)
5. - خورشید ندیم، ’’آج کی سیاست اور امام زین العابدین ؓ‘‘ روزنامہ دنیا، ۲۳ مئی ۲۰۲۳،

 <https://dunya.com.pk/index.php/author/khursheed-nadeem/2023-05-13/43892/17880073> [↑](#endnote-ref-5)
6. - زین العابدین  ،رسالة الحقوق، ص ۲۴، مجموعة النبراس الثقافية۔ عراق، بغیر ِسِنِ اشاعت [↑](#endnote-ref-6)
7. - خورشید ندیم، ’’آج کی سیاست اور امام زین العابدین ؓ‘‘ روزنامہ دنیا، ۲۳ مئی ۲۰۲۳،

 <https://dunya.com.pk/index.php/author/khursheed-nadeem/2023-05-13/43892/17880073> [↑](#endnote-ref-7)
8. - زین العابدین  ،رسالة الحقوق، ص ۲۷، مجموعة النبراس الثقافية۔ عراق، بغیر ِسِنِ اشاعت [↑](#endnote-ref-8)
9. - ابن ہشام، السيرة النبوية، (خُطْبَةُ أَبِي بَكْر) جلد ۲، صفحہ ۶۶۱، مطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده ، قاہرہ - مصر، ۱۹۵۵ [↑](#endnote-ref-9)
10. - بخاری،صحیح بخاری، بَابٌ: العَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، حدیث نمبر ۲۴۰۹، ج ۳ صفحہ ۱۲۰ [↑](#endnote-ref-10)
11. - ابن أبي شيبة ، المصنف، حدیث نمبر ۳۴۴۸۶، ج ۷ صفحہ ۹۹، مكتبة الرشد – رياض ، ۱۹۸۸ [↑](#endnote-ref-11)
12. - الماوردي، الأحكام السلطانية، صفحہ ۴۰، دار الحديث - قاہرہ - مصر، بغیر ِسِنِ اشاعت [↑](#endnote-ref-12)
13. - بخاری،صحیح بخاری،بَابُ إِمَامَةِ العَبْدِ وَالمَوْلَى، حدیث نمبر ۶۹۳ [↑](#endnote-ref-13)
14. - مسلم، صحیح مسلم، كتاب الامارہ، بَابُ الْأَمْرِ بِلُزُومِ الْجَمَاعَةِ عِنْدَ ظُهُورِ الْفِتَنِ وتحذير الدعاة إلى الكفر، حدیث نمبر ۱۸۴۹ [↑](#endnote-ref-14)
15. - علامہ تفتازانی فرماتے ہیں : "ولا ينعزل الإمام بالفسق، أي: بالخروج عن طاعة الله تعالى. والجور، أي: الظلم على عباد الله تعالى؛ لأنه قد ظهر الفسق وانتشر الجور من الأيِمَّة والأمراء بعد الخلفاء الراشدين، والسلف كانوا ينقادون لهم ويقيمون الجمع والأعياد بإذنهم ولا يرون الخروج عليهم؛ ولأنّ العصمة ليست بشرط للإمامة ابتداء فبقاء أولى. وعن الشافعيّ رحمه الله أنّ الإمام ينعزل بالفسق والجور، وكذا كلّ قاضٍ وأميرٍ، وأصل المسألة أنّ الفاسق ليس من أهل الولاية عند الشافعيّ رحمه الله، لأنّه لا ينظر لنفسه فيكف ينظر لغيره، وعند أبي حنيفة رحمه الله هو من أهل الولاية حتى يصحّ للأب الفاسق تزويج ابنته الصغيرة". تفتازانی، شرح العقائد النسفية ،ص ۳۳۲، دار التقوی، دمشق - شام، ۲۰۲۰ [↑](#endnote-ref-15)